سیف اللہ خالد

وزیر تعلیم کا مخمصہ

قوموں کی زندگی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ درس گاہیں قوم کے بناؤ اور بگاڑ میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ پوری دنیا میں تعلیم کو اپنی شناخت اور تمدن کے قریب رکھا جاتا ہے اور تھنک ٹینک بٹھائے جاتے ہیں، ادارے بنائے جاتے ہیں کہ تعلیم کے شعبہ میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے مگر پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ ۶۰ برس ہونے کو آئے۔ یہاں ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا کہ نظام تعلیم کیا ہوگا اور نصاب کن اصولوں کو مدنظر رکھ کر بنایا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس ملک کے نظام تعلیم میں تو یہ امر بھی یقینی نہیں کہ طلباء جو پڑھ رہے ہیں، امتحان بھی اِسی سے ہوگا یا نہیں اور پھر کون جانے کہ تعلیمی سال کب شروع ہوگا اور کب ختم۔ جدت پسندی کے شوق میں جمے جمائے نظام الاوقات کو نہ معلوم کب ٹھڈا مار دیا جائے اور اپنی مرضی سے ایک نیا شیڈول تھما دیا جائے۔

تعلیم کا شعبہ تو پہلے ہی جہالت کی نذر تھا مگر اب تو حد ہوگئی کہ ایک ایسے شخص کو اس میں روشن خیالی ''ٹھونسنے'' کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ جو اس سے قبل اچھا خاصا ریلوے کا ''بیڑہ غرق'' کر رہے تھے۔ وہ نہ صرف قیامِ پاکستان کا نیا نظریہ ایجاد کرنے کا شوق رکھتے ہیں بلکہ تہذیبی تاریخی جڑیں تلاش کرنا بھی اپنا حق خیال کرتے ہیں۔ اس شوق میں یہاں تک جا پہنچے کہ گزشتہ دنوں پنجاب کی تہذیب کو گنگا جمنا لے پہنچے۔ اب تازہ فرمان ہے کہ سندھ کی تہذیب محمد بن قاسم سے نہیں موہنجوداڑو سے شروع ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موصوف کو دینی حوالوں سے چڑ اور ان کا مطالعہ بہت ''وسیع'' ہے۔ ان کی مثال موجود ہے کہ گلگت میں ایک مسلک کے لوگوں نے اپنے علاقے میں درسی کتاب میں طریقۂ نماز پر اعتراض کیا تو انہوں نے پورے ملک میں طریقۂ نماز نصاب سے نکال باہر کیا اور فرمایا یہ متنازعہ چیز ہے۔ اب تازہ ترین دانش وری یہ فرمائی ہے کہ ٹی وی پروگرام میں اپنی معلومات کا سکہ جماتے ہوئے فرمانے لگے۔ قرآن ۴۰ پاروں پر مشتمل ہے۔ وہ تو شکر ہوا کہ میزبان نے تصحیح کر دی ورنہ طلبا کو امتحان میں بھی یہی لکھنا پڑتا۔

سچ یہ ہے کہ جب سے روشن خیالی کی نظر کرم ہوئی ہے۔ نظام تعلیم اک گورکھ دھندا بن کر رہ گیا ہے۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ خود اربابِ اختیار بھی آگاہ نہیں کہ کرنا کیا ہے اور منزل کہاں ہے؟ ایک دن کچھ بیان فرماتے ہیں، اگلے روز کچھ اور الہام ہو جاتا ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اک افراتفری مچی ہے اور ہر طرف اکھاڑ پچھاڑ کا منظر ہے۔

پاکستان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کی وزیر تعلیم دنیا کی وہ واحد وزیر تھیں جن کا محکمہ تعلیم ہونے کے باوجود انہیں پینٹاگون میں بلایا گیا اور وہاں پاکستان کے نصابِ تعلیم پر بریفنگ دی گئی اور جب وہ اس مردانہ وار جنگ میں معیار

پر پورا نہ اتر سکیں تو یہ محکمہ موجودہ وزیر تعلیم کو دے دیا گیا۔ یہ اعزاز بھی کم نہیں کہ امریکی صدر، امریکی وزیر خارجہ اور دیگر امریکی شخصیات اور ادارے پاکستان کے نظام تعلیم کی فکر رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس فکرمندی کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ حکومت پاکستان اگر کبھی کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے ان اعزازات وافتخارات کا ذکر نہ کرے تو وہاں سے بانگِ دہل دنیا کو بتا دیا جاتا ہے کہ امریکہ کس قدر پریشان ہے اور کیا کیا تبدیلیاں چاہتا ہے۔

یہاں ایک بات تھوڑی ناقابل فہم لگتی ہے کہ نظامِ تعلیم کے میڈیم، نظریاتی جہت اور تہذیبی وثقافتی رخ پر مشتمل ہدایات اور مذہبی احکامات تو بہرحال امریکہ کے زیر اثر ہیں مگر بدنظمی اور بے ہنگم پن کس باعث ہے۔ امتحانی سال کب شروع ہوا، میٹرک اور ایف اے کے امتحان سمسٹر سسٹم کے تحت ہوں گے یا کمپوزٹ۔ اس کا الزام تو امریکیوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ اس حوالے سے سال میں دوبار طلبہ کو باقاعدہ نفسیاتی جھٹکے دیئے جانے کا عمل یقیناً وزیر تعلیم کی اپنی حکمتِ عملی کا تقاضا ہے۔ نامعلوم وہ معصوم طلبہ سے کس بات کا انتقام لے رہے ہیں۔

ملک بھر کے اساتذہ، طلبہ اور والدین کو چاہیے کہ وہ امریکی سفیر کو خط لکھیں کہ اگر ہو سکے تو انتظامی امور میں بھی جناب وزیر کی رہنمائی کر دیں۔ کیونکہ جامعہ پنجاب میں میوزک کلاسز شروع کروانے، طلبہ کے ہاسٹلز اور یونیورسٹیوں کو خالی کروانے، نقاب اوڑھنے والی طالبات سے امتحانی پرچے چھیننے اور معیاری تعلیمی ادارے غیر مسلم این جی اوز کے حوالے کرنے کے کام کا بوجھ اس قدر رہے کہ دیگر کام رہ جاتے ہیں۔ اگر امریکی سفیر اس سلسلے میں بھی کوئی ہدایت جاری کر دیں تو احسان ہوگا۔

جہاں تک تعلق ہے تہذیبی جڑوں کی تلاش کا تو غالباً موصوف نہیں جانتے کہ قوموں کی تہذیبی تاریخ میں جڑیں جغرافیہ کی بنیاد پر نہیں ثقافت کی بنیاد پر تلاش کی جاتی ہیں۔ گنگا جمنا ہو، موہنجوڈرو یا گندھارا۔ ان میں سے کوئی بھی تہذیب ایسی نہیں جو آج کہیں زندہ نظر آتی ہو۔ آج کا سندھ جس خوبصورت تہذیبی ورثہ کا مالک ہے اس کا سارا حسن اسلام سے مزین ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان کے وجود کا جواز ایک اسلامی تہذیب کے سوا کچھ نہیں۔ اگر وزیر تعلیم کی منطق مان لی جائے کہ سندھ کی تہذیب موہنجوڈرو سے تعلق رکھتی ہے پنجاب کو آپ پہلے ہی گنگا جمنا سے وابستہ کر چکے ہیں۔ بلوچوں کا ماضی ایران سے وابستہ ہے۔ صوبہ سرحد پر تو اب بھی افغان قوم پرستوں کا دعویٰ ہے۔ پاکستان کہاں گیا؟

وزیر تعلیم نے اپنی گفتگو میں ۱۹۷۱ء کی جنگ کا بھی تذکرہ کیا کہ اسے نصاب کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو بھی نصاب کا حصہ بنا دیتے اور اس کے جو صفحات غائب کیے گئے ہیں ان کو بھی شائع فرما دیتے تاکہ قوم کے نونہال ساری سچائیوں سے آگاہ ہو جاتے۔ ۱۹۷۱ء کا تذکرہ ہونا لازم ہے۔ ان کی اس بات سے اختلاف نہیں مگر اس کا بے لاگ تجزیہ بھی ضروری ہے جو حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے بغیر ممکن نہیں۔

کاش! وزیر تعلیم نے سانحہ ۱۹۷۱ء کی وجوہات کو ایک نظر دیکھا ہوتا تو وہ نظامِ تعلیم پر ہاتھ ''ہولا'' رکھتے اور انہیں علم ہوتا کہ نظامِ تعلیم کو نظر انداز کرنے اور اس کے بتدریج ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے جانے کا نتیجہ سقوطِ ڈھاکہ کی صورت سامنے آیا تھا۔ جس کے ذکر سے آج بھی حرکت قلب بند ہونے لگتی ہے اور سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔